مدیر کے قلم سے

مشن جاری رکھیں

کرنیں

۱۳ فروری ۱۹۹۷ء کو ایک بدبخت دہشت گرد، جامعہ امدادیہ فیصل آباد کے مولانا مجاہد کی طرف بڑھا۔ علم و تحقیق کی جولانیوں سے کام رکھنے والے مولانا مجاہد کو جوانی کی آنگن اور آرزو کے دامن میں قدم رکھے کوئی زیادہ عرصہ نہیں گذرا تھا کہ دست قاتل نے اسے چھین لیا...... جمعہ ۱۹ ستمبر ۱۹۹۷ء کو مولانا انیس الرحمٰن شہید کیے گئے۔ جامعہ انوار القرآن کراچی کے شیخ الحدیث اور گلستانِ نبوت کے باغباں!...... ۲ نومبر ۱۹۹۷ء، یکم رجب ۱۴۱۸ھ اتوار کی ایک کڑکتی سہ پہر میں سرِ شاہراہ گاڑیوں کے ہجوم میں ممتاز محقق عالم دین اور جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کے مہتمم مولانا حبیب اللہ مختار اور مفتی عبدالسمیع پر آگ کے شعلے برسائے گئے اور وہ مظلوم شہیدوں کی صف میں شامل ہوگئے۔ تعلیم، تعلیم اور صرف تعلیم کا نظریہ عام کرنے والے مولانا حبیب اللہ مختار کا کسی سیاسی جماعت سے تعلق تھا نہ کسی فرقہ وارانہ گروپ سے، تدریس و تحقیق اور تصنیف و تالیف کے علاوہ جن کی پہچان کا کوئی اور حوالہ نہ تھا... ۱۷ اکتوبر ۱۹۹۸ء کو اسلام آباد کی مرکزی مسجد میں حق کی اذانیں دینے والے مولانا عبداللہ صاحب کو دن دھاڑے خون میں تڑپا دیا گیا۔ وہ محبتوں کا سفیر اور اتحاد بین المسلمین کی علامت تھے، اور ان کا لوحِ قلب چمکیلی صبح کی طرح نفرتوں اور کدورتوں سے بالکل صاف تھا۔ حکمرانوں کو پاکستان اور اسلام سے سچی محبت و تعلق کے لیے برسوں منبر و محراب سے صدا دینے والے، مخلص مسلمان بننے کی آواز لگانے والے، اجنبی بے سہارا مریضوں کی عیادت کے لیے شفاخانوں کے چکر کاٹنے والے، جنھیں نہ کبھی کسی عہدے سے غرض رہی، نہ کسی منصب سے دلچسپی، دولت کی ہوس انھیں چھو کر بھی نہیں گذری تھی، اسلام آباد کے سبزہ زاروں میں بنی کوٹھیوں کے مکینوں کو کیا معلوم کہ ان کی ہستی، کتنی آفتوں، کتنی آندھیوں اور کتنے طوفانوں سے بچاؤ کا قدرتی ڈھال تھی...... ۱۸ مئی ۲۰۰۰ء کو کراچی میں ایک اور بدبخت ہاتھ صداقتوں کو بانٹنے اور محبتوں کو رواج دینے والے حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی پر حملہ آور ہوا، آہ کیسی بے نفس ہستی اور کس قدر پاکیزہ شخصیت تھی ان کی!...... ۲۸ جنوری ۲۰۰۴ء کو دہشت گردی کے عفریت نے علم و عمل کے تین روشن چراغوں کو سرِ راہ ایک ہی ساتھ بجھا دیا۔ جامعہ فاروقیہ کے حضرت مولانا عنایت اللہ، مولانا حمید الرحمٰن اور مفتی محمد اقبال شہید، حدیث رسول کے اساتذہ، تعلیم و تربیت کا جمال اور منصب درس کی رونق!...... اور اب ۳۰ مئی ۲۰۰۴ء کو حضرت مفتی شامزئی کو سرِ راہ شہید کر دیا گیا۔ مخالفین کی بھی ایذاء رسانی سے بچنا اور دشمنوں سے بھی مل کے چلنا جن کا طریقِ الفت تھا۔

بلاشبہ کئی علماء اور دوسرے لوگ بھی اس عرصے میں شہادتوں کے لیے پرواز کرتے رہے لیکن ذکر کردہ شہداء کا تعلق صرف منصب درس اور منبر و محراب سے تھا، یہ دشمنی و نفرت سے کوسوں دور محبتوں کا دیپ جلانے والے دریائے علم و تحقیق کے شناور تھے جو نہ کبھی سیاست کی رنگینیوں میں آئے نہ قیادت و حکومت کے زرنگار ایوانوں میں! جنھیں دیکھ کر اشک ڈھل جاتے اور جمے آنسو پگھل جاتے تھے! جو روشن روشوں کے علم بردار اور بلند قدروں کے پاسبان تھے۔ جن کی زبان پر قال اللہ اور قال الرسول کے زمزمے اور جن کے لبوں پر امن کے نغمے تھے، علم و عرفان کے بدرِ منیر اور دین و دانش کے مہرِ تنویر! ایسی ہستیاں تو قوموں کے اجڑے لمحوں کا اثاثہ اور روٹھے وقتوں کا سرمایہ ہوتی ہیں...... ہنستی بستی راہوں کے ان خوش باش مسافروں کا جینا بھی قابلِ رشک تھا اور مرنا بھی قابلِ رشک:

ساز دل چھیڑ کے بھی، توڑ کے بھی دیکھ لیا　　　اس میں کوئی نغمہ ہی نہیں محبت کے سوا

علماء کی ساری تاریخ ہی شہادتوں، قربانیوں اور عزیمتوں کی لالہ رخ و لالہ زار تاریخ ہے، بس ترتیب و تربیت ایسی رکھی جانی چاہیے کہ کسی ایک سالار کے جانے سے قافلہ بچھڑنے اور بکھرنے نہ پائے، خونِ شہیداں کے قطروں سے نئے جذبے پیدا ہوں، قربانیوں کی شہادت گاہ میں شہیدوں کے لہو سے نئے چراغوں روشن ہوں، مشن جاری رہے، چراغ جلتے رہیں، یہ رکنے نہ پائے، کہیں یہ بجھنے نہ پائیں کہ دشمن کی شکستگی کا دار اسی میں ہے:

ایک شمع بجھائی تو کئی اور جلا لیں　　　ہم گردشِ دوراں سے کئی چال چلے ہیں